Sociology & Cultural Research Review (SCRR)
Available Online: https://scrrjournal.com
Print ISSN: 3007-3103 Online ISSN: 3007-3111
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

Contemporary Scientific Interpretations of Cosmic Verses: A Critical Review in Light of the Principles of Quranic Exegesis

آیاتِ کونیہ کی معاصر سائنسی توجیہات: اصولِ تفسیر کی روشنی میں ایک تنقیدی جائزہ

Dr. Hafiz Abdur Rahim
Assistant Professor (V) Department of Islamic Studies, University of Sargodha, Sargodha
rao.a.rahim@hotmail.com
Dr. Muhammad Mohsin Mumtaz
Assistant Professor (V), Department of Humanities, Comsats University, Lahore Campus, Lahore
mohsinmumtaz@cuilahore.edu.pk
Dr. Hafiz Muhammad Hassan
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, University of Sargodha, Sargodha
muhammad.hassan@uos.edu.pk

Abstract
The unprecedented advancements in empirical sciences during the nineteenth and twentieth centuries catalyzed an apologetic hermeneutical trend across the Muslim world, widely designated as "Scientific Exegesis" (al-Tafsir al-'Ilmi) and "Scientific Miracles" (al-I'jaz al-'Ilmi). This intellectual movement seeks to correlate the cosmological verses (Ayat Kawniyyah) of the Holy Quran with contemporary physics, astronomy, and embryology. Utilizing a critical, analytical, and comparative methodology, this paper examines the validity of this interpretive trend against the classical tenets of Quranic exegesis (Usul al-Tafsir). The findings demonstrate that the primary teleological objective of cosmic verses is metaphysical directing human intellect toward divine monotheism (Tawhid), divine power, and eschatological accountability rather than the pedagogy of empirical mechanics. Epistemologically, subordinating immutable divine revelation to provisional, inductive, and mutable scientific paradigms undermines the transcendental authority of the text. Furthermore, excessive scientific harmonization often breaches established hermeneutical boundaries, including classical Arabic lexicography, textual context (Siyaq), and the consensus of early exegetes. The paper concludes that empirical science must not function as an interpretive arbiter (Hakim) over revelation; rather, only indisputable scientific facts aligned with Arabic linguistic norms may serve as secondary, corroborative reflections (Isti'nas).

Keywords: *Cosmological Verses, Scientific Exegesis, Scientific Miracles, Principles of Exegesis, Epistemology, Mutable Science, Classical Arabic Lexicography*

تعارف

انیسویں صدی کے اواخر اور بالخصوص بیسویں و اکیسویں صدی میں تجرباتی سائنس (Empirical Science) ، فلکیات، حیاتیات اور کوانٹم فزکس کی غیر معمولی پیش رفت نے انسانی فکر کو مسحور کیا۔ اس سائنسی انقلاب کے زیرِ اثر مسلم دنیا میں فکری دفاع اور جدیدیت سے ہم آہنگی کی ایک ایسی لہر پیدا ہوئی جس نے قرآنِ حکیم کی تکوینی آیات یعنی "آیاتِ کونیہ"

SCRR

(Cosmological Verses) کو جدید سائنسی دریافتوں کی روشنی میں پرکھنے اور منطبق کرنے کے رجحان کو جنم دیا، جسے معاصر لٹریچر میں "التفسیر العلمی" یا "الاعجاز العلمی" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔[1]

اس فکری رجحان نے اس وقت ایک سنگین علمی و کلامی مسئلہ پیدا کیا جب مفسرین و مصنفین نے وحیِ الٰہی کے نصوصِ قطعیہ کو سائنس کے متغیر اور غیر متبدل نظریات (Theories and Hypotheses) کا تابع بنانا شروع کر دیا۔ تجرباتی سائنس کا بنیادی خاصہ استقراء(Induction)، تغیر پذیری اور مسلسل ابطال پسندی (Falsification) ہے، جہاں آج کا مسلمہ نظریہ کل کی نئی تحقیق سے باطل قرار پا جاتا ہے۔[2] اس کے برعکس کلامِ الٰہی ابدی، غیر متبدل اور قطعی سچائی پر مبنی ہے۔ جب نصوصِ قرآنی کو کسی عارضی سائنسی مفروضے پر زبردستی منطبق کیا جاتا ہے اور بعد ازاں وہ سائنسی نظریہ غلط ثابت ہو جاتا ہے، تو اس کا منفی اثر براہِ راست کلامِ الٰہی کی صداقت اور اعجاز پر پڑتا ہے۔ مزید برآں، سائنسی تطبیق کے اس پرجوش عمل میں لغتِ عرب کے وضعی معانی، سیاق و سباق اور فہمِ سلف کو نظر انداز کر کے متون میں غیر فطری تاویلات کی جاتی ہیں، جو کہ علمِ اصولِ تفسیر کے مسلمہ ضوابط سے صریح انحراف ہے۔

اہمیتِ موضوع

اس تحقیق کی بنیادی اہمیت اس امر میں مضمر ہے کہ یہ کلامِ الٰہی کے اصل اور اساسی مقصد یعنی "ہدایت، تذکیر اور تزکیہ" (Spiritual and Moral Guidance) کو سائنس اور طبیعیات کی درسی کتاب بننے سے بچاتی ہے۔ قرآنِ مجید نے اپنے نزول کا مقصد خود واضح کیا ہے:﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ ۔[3] کائنات کے مظاہر (زمین و آسمان، چاند سورج، نباتات اور مراحلِ جنین) کا تذکرہ سائنس کے فارمولے سکھانے کے لیے نہیں بلکہ خالق کی وحدانیت، عظمت اور قدرتِ مطلقہ پر استدلال (استدلال علی التوحید والقدرۃ) کے لیے بطورِ آیت و علامت لایا گیا ہے۔[4]

یہ مقالہ معاصر دور میں پیدا ہونے والی سائنسی مرعوبیت (Scientific Inferiority Complex) کا سنجیدہ علمی تجزیہ کرتا ہے اور یہ باور کراتا ہے کہ قرآنِ مجید کے اعجاز کو ثابت کرنے کے لیے اسے مادی سائنس کی مہرِ تصدیق کا محتاج بنانا خود قرآن کے ساتھ علمی ناانصافی ہے۔ یہ مقالہ کلاسیکی اصولِ تفسیر اور جدید علمیت کے مابین ایک متوازن اور معتدل حدِ فاصل قائم کر کے قرآن فہمی کے روایتی و محتاط منہج کا احیاء کرتا ہے۔

تحقیقی سوالات

[1] ۔ طنطاوی جوہری، الجواهر في تفسير القرآن الكريم [قاہرہ: مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۳۱ء]، ۱/۳–۸
Tantawi Jawhari, *Al-Jawahir fi Tafsir al-Qur'an al-Karim* [Cairo: Mustafa al-Babi al-Halabi, 1931], 1:3–8

[2] ۔ تھامس ایس۔ کوہن، سائنسی انقلابات کی ساخت [شکاگو: یونیورسٹی آف شکاگو پریس، ۱۹۶۲ء]، ۵۲–۵۸
Thomas S. Kuhn, *The Structure of Scientific Revolutions* [Chicago: University of Chicago Press, 1962], 52–58

[3] ۔ ص: ۲۹

[4] ۔ محمد الطاہر ابن عاشور، التحریر والتنویر [تونس: دار سحنون، ۱۹۹۷ء]، ۱/۳۵–۳۸
Muhammad al-Tahir Ibn Ashur, *Al-Tahrir wa al-Tanwir* [Tunis: Dar Sahnun, 1997], 1:35–38

SCRR

یہ مقالہ درج ذیل بنیادی سوالات کے علمی و تنقیدی جوابات تلاش کرتا ہے:

1. کیا آیاتِ کونیہ کی تفہیم اور تشریح کے لیے جدید سائنسی اکتشافات کو قطعی اور حتمی علمی دلیل بنایا جاسکتا ہے؟
2. معاصر سائنسی توجیہات اصولِ تفسیر کے مسلمہ اور اساسی ضوابط بالخصوص لغتِ عرب کے دائرہ کار، سیاق و سباق، اور فہمِ سلف پر کس حد تک پورا اترتی ہیں؟
3. سائنسی نظریات کی تاریخی تبدیلیوں کے نتیجے میں اعجازِ قرآن اور اس کی دائمی صداقت کے مقدمے پر کیا کلامی اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

آیات کونیہ کا مفہوم

قرآنِ مجید میں کائنات، آسمان و زمین، گردشِ لیل و نہار، شمس و قمر، بارانِ رحمت، نباتات اور مراحلِ خلقتِ انسانی سے متعلق وارد ہونے والی نصوص کو اصطلاح میں "آیاتِ کونیہ" (Cosmological Verses) کہا جاتا ہے۔

قرآنِ مجید کے تکوینی نظام کا غائر مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ ان آیات کے نزول کا مقصد طبیعیات، فلکیات یا حیاتیات کے پیچیدہ میکانزم اور سائنسی کلیات کی تدریس نہیں، بلکہ انسان کو کائنات کی وسعتوں میں جھانک کر خالقِ کائنات کی معرفت، وحدانیت اور قدرتِ مطلقہ پر استدلال فراہم کرنا ہے جسے کلامی زبان میں "استدلال علی التوحید والقدرۃ والبعث" کہا جاتا ہے۔[5] قرآن انسان کو ان مظاہر میں تدبر اور مشاہدے کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ ان کے مادی اجزاء کے بجائے ان کے پیچھے کارفرما دستِ قدرت تک رسائی حاصل کر سکے۔

عصرِ حاضر کی علمی تحقیقات میں آیاتِ کونیہ سے سائنسی نتائج اخذ کرنے کے عمل کو دو مختلف اصطلاحات میں تقسیم کیا گیا ہے:

التفسیر العلمی (Scientific Exegesis): اس سے مراد آیاتِ قرآنی کی تشریح و توضیح میں تجرباتی سائنس کے اصطلاحات، اکتشافات اور سائنسی معلومات کو بروئے کار لانا ہے تاکہ قرآنی تعبیرات کے مفہوم کو واضح کیا جاسکے۔[6]

الاعجاز العلمی (Scientific Miracles): اس سے مراد یہ دعویٰ کرنا ہے کہ قرآنِ مجید نے آج سے چودہ سو سال قبل ایسے دقیق کائناتی اور سائنسی حقائق کی صریح خبر دے دی تھی جنھیں انسانی عقل اور تجرباتی سائنس صرف معاصر آلات و ٹیکنالوجی کی مدد سے دریافت کرنے کے قابل ہوئی ہے، اور یہ پیشگی خبر قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی حتمی سائنسی دلیل ہے۔[7]

سائنسی تفسیر کا تاریخی ارتقاء

---

[5] ابن عاشور، التحرير والتنوير، ۳۵/۱–۳۸
Muhammad al-Tahir Ibn Ashur, *Al-Tahrir wa al-Tanwir*, 1:35–38

[6] فہد بن عبد الرحمن الرومی، اتجاهات التفسير في القرن الرابع عشر [رياض: مكتبۃ الرشد، ۱۹۸۶ء]، ۵۹۵/۲–۵۹۸
Fahd ibn ‘Abd al-Rahman al-Rumi, *Ittijahat al-Tafsir fi al-Qarn al-Rabi‘ ‘Ashar* [Riyadh: Maktabat al-Rushd, 1986], 2:595–598

[7] زغلول راغب النجار، الإعجاز العلمي في القرآن الكريم [قاہرہ: دار المعرفہ، ۲۰۰۶ء]، ۱۵–۲۲
Zaghloul Raghib El-Naggar, *Al-I‘jaz al-‘Ilmi fi al-Qur’an al-Karim* [Cairo: Dar al-Ma‘rifah, 2006], 15–22

قرآنِ مجید کی سائنسی تفہیم کا رجحان یکسر جدید پیداوار نہیں بلکہ علم تفسیر کے ابتدائی دور میں اس کی ابتدائی جڑیں موجود ہیں، اگرچہ معاصر دور میں اس کے اسباب و نوعیت یکسر تبدیل ہو چکی ہیں:

متقدمین مفسرین کی تحقیقی خدمات

کلاسیکی دور میں امام ابو حامد الغزالی نے یہ نکتہ اٹھایا کہ قرآنِ مجید تمام علوم کا سرچشمہ ہے اور دنیا کے متقدم و متاخر علوم کے اصول و کلیات قرآنی اشارات کے بطن میں پنہاں ہیں۔[8]

بعد ازاں امام فخر الدین الرازی نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر "مفاتیح الغیب" میں آیاتِ کونیہ کی توضیح کے ضمن میں بطلیموسی فلکیات، طب اور یونانی طبیعیات کے اس دور کے معلوم نظریات کو کثرت سے شامل کیا۔ تاہم امام رازی کا مقصد قرآن کو سائنسی ثابت کرنا نہیں تھا بلکہ وہ اس دور کے کائناتی فہم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ اور نظمِ کائنات پر استدلال قائم کرتے تھے۔[9] کلاسیکی دور میں اس رجحان کے خلاف سب سے مضبوط اور مدلل آواز امام ابو اسحاق الشاطبی نے اٹھائی، جنھوں نے یہ اصولی ضابطہ وضع کیا کہ قرآنِ مجید کو اس کے ابتدائی مخاطبین (عربِ امیّین) کے فہم اور علمی معیار سے بالاتر معانی پر محمول کرنا تحریف کے مترادف ہے۔[10]

مغربی تحقیقات کا ردِ عمل

انیسویں اور بیسویں صدی میں جب مسلم دنیا کو مغرب کے سیاسی و عسکری غلبے کے ساتھ ساتھ سائنسی و صنعتی بالادستی کا سامنا کرنا پڑا، تو مسلم مفکرین کے ہاں ایک شدید فکری دفاعی ردِ عمل پیدا ہوا۔ اس دور میں سر سید احمد خان نے برصغیر میں نصوص کی ایسی عقلی و سائنسی تاویل کا بیڑا اٹھایا جو ان کے نزدیک قوانینِ فطرت (Laws of Nature) کے ساتھ مطلق ہم آہنگ ہو، جس کے نتیجے میں انہوں نے معجزات اور ماورائے عقل امور کی غیر معمولی تاویلات کیں۔[11]

عالمِ عرب میں شیخ طنطاوی جوہری نے 26 جلدوں پر مشتمل اپنی ضخیم تفسیر "الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم" تالیف کی، جس میں انہوں نے دعویٰ کیا کہ قرآن میں فقہی اور قانونی احکام سے متعلق بمشکل ڈیڑھ سو آیات ہیں جبکہ آیاتِ کونیہ کی تعداد

---

[8] ۔ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، جواهر القرآن ودرره، تحقیق: محمد رشید رضا القبانی [بیروت: دار احیاء العلوم، ۱۹۸۶ء]، ۳۲۔۳۶
Abu Hamid al-Ghazali, *Jawahir al-Qur'an wa Duraruh*, ed. Muhammad Rashid Rida al-Qabbani [Beirut: Dar Ihya' al-'Ulum, 1986], 32–36

[9] ۔فخر الدین محمد بن عمر الرازی، مفاتیح الغیب - التفسیر الکبیر [بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ]، ۲/۱۰۱۔۱۰۵
Fakhr al-Din al-Razi, *Mafatih al-Ghayb: Al-Tafsir al-Kabir* [Beirut: Dar Ihya' al-Turath al-'Arabi, 2000], 2:101–105

[10] ۔ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی، الموافقات في أصول الشريعة، تحقیق: مشهور بن حسن آل سلمان [خُبر: دار ابن عفان، ۱۹۹۷ء]، ۲/۱۱۵۔۱۱۸
Abu Ishaq Ibrahim al-Shatibi, *Al-Muwafaqat fi Usul al-Shari'ah*, ed. Mashhur bin Hasan Al Salman [Khobar: Dar Ibn 'Affan, 1997], 2:115–118

[11] ۔ سید احمد خان، تفسیر القرآن وهو الهدی والفرقان [لاہور: دوست ایسوسی ایٹس، ۱۹۹۵ء]، ۱/۱۵۔۲۰
Sayyid Ahmad Khan, *Tafsir al-Qur'an wa Huwa al-Huda wa al-Furqan* [Lahore: Dost Associates, 1995], 1:15–20

ساڑھے سات سو سے متجاوز ہے، لہٰذا مسلمانوں کے زوال کا سبب کائنات کے سائنسی علوم کو ترک کرنا تھا؛ انہوں نے تفسیری صفحات کو حیوانات، نباتات اور سائنسی آلات کی تصاویر اور کیمیائی فارمولوں سے بھر دیا۔[12]

بیسویں صدی کے آخری نصف میں فرانسیسی سرجن مورس بوکائے کی کتاب "بائبل، قرآن اور سائنس" (۱۹۷۶ء) کی اشاعت نے اس تحریک کو ایک نئی عالمی جہت دی۔ بوکائے نے دعویٰ کیا کہ بائبل کے بیانات جدید سائنسی دریافتوں سے متصادم ہیں جبکہ قرآن کا کوئی ایک بیان بھی مسلمہ سائنسی حقائق کے خلاف نہیں ہے۔[13]

اس کامیابی کے بعد مسلم دنیا میں "ہیئۃ الاعجاز العلمی فی القرآن والسنۃ" (مکہ مکرمہ) جیسے بین الاقوامی ادارے قائم ہوئے اور ڈاکٹر زغلول النجار جیسے ماہرینِ ارضیات نے ذرائع ابلاغ اور کانفرنسوں کے ذریعے اس فکر کو عام کیا کہ ہر جدید سائنسی دریافت (بگ بینگ، بلیک ہولز، ڈی این اے، اور سمندری لہریں) قرآن میں پہلے سے درج ہے۔ یوں سائنسی تفسیر انفرادی اجتہاد سے نکل کر ایک منظم بین الاقوامی عوامی تحریک کی صورت اختیار کر گئی، جس نے اصولِ تفسیر کے روایتی معیارات کے سامنے سنگین فکری سوالات لا کھڑے کیے۔

اصولِ تفسیر کے مسلمہ ضوابط کی روشنی میں سائنسی تفاسیر کا تجزیہ

قرآنِ حکیم کی تفہیم و تعبیر کوئی ایسا بے ضابطہ اور آزادانہ عمل نہیں ہے جس میں ہر دور کے مروجہ خیالات، فلسفوں یا سائنسی مفروضات کو بلا امتیاز نصوص پر منطبق کر دیا جائے۔ سلفِ صالحین اور ائمۂ اصول نے کلامِ الٰہی کی تعبیر کو ذاتی آراء اور تخمین و ظن سے محفوظ رکھنے کے لیے باقاعدہ "اصولِ تفسیر" مدون کیے۔ جب معاصر سائنسی تفاسیر (Scientific Exegesis) کا ان مسلمہ تفسیری اصولوں کی روشنی میں تنقیدی جائزہ لیا جائے تو بنیادی طور پر تین بڑے علمی و منہجی انحرافات سامنے آتے ہیں:

قرآنِ مجید عربیِ مبین میں نازل ہوا ہے: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ یعنی "بے شک ہم نے اسے عربی زبان کا قرآن بنا کر نازل کیا ہے تاکہ تم عقل و فہم سے کام لو"،[14] اور اصولِ تفسیر کا اولین اور بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ کسی بھی قرآنی لفظ کا وہی مفہوم مراد لیا جائے گا جو نزولِ قرآن کے وقت اہلِ لغت اور زبان کے اصلی متکلمین کے نزدیک مستعمل اور معروف تھا۔[15] امام شاطبی نے صراحت کی ہے کہ قرآنِ مجید کے فہم میں ایسے معانی تلاش کرنا جن سے عہدِ رسالت کا لغت داں واقف نہیں تھا، تحریفِ معنوی کے مترادف ہے۔ معاصر سائنسی مفسرین کے ہاں الفاظِ قرآن میں علوی تاویلات اور

---

[12] ـطنطاوی جوہری، الجواهر في تفسير القرآن الكريم [قاہرہ: مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۳۱ء]، ۱/۶–۹
Tantawi Jawhari, *Al-Jawahir fi Tafsir al-Qur'an al-Karim* [Cairo: Mustafa al-Babi al-Halabi, 1931], 1:6–9

[13] ـ مورس بوکائے، بائبل، قرآن اور سائنس، مترجم: محمد ساجد الرحمن [لاہور: البلاغ پبلیکیشنز، ۱۹۹۸ء]، ۱۲۵–۱۳۰
Maurice Bucaille, *The Bible, The Qur'an and Science: The Holy Scriptures Examined in the Light of Modern Knowledge* [Paris: Seghers, 1976], 110–115

[14] ـ یوسف: ۲

[15] ـالشاطبی، الموافقات، ۲/۱۱۵–۱۱۸
Al-Shatibi, *Al-Muwafaqat*, 2:115–118

لسانی کھینچ تان (Semantic Stretching) کا شدید مرض پایا جاتا ہے؛ وہ الفاظ کے وضعی اور عرفی معانی کو پامال کر کے ان پر دور از کار سائنسی مصطلحات کا بوجھ لاد دیتے ہیں، جس کی واضح مثال یہ ہے کہ لفظ "ذَرَّةٍ" کے نزولِ قرآن کے دور میں عربی لغت کے مطابق معنی سرخ چیونٹی کا بچہ، ریت کا ایک نہایت چھوٹا ذرہ، یا دھوپ میں تیرتے ہوئے باریک غبار کے ذرات تھے۔[16] سائنسی مفسرین اس تاریخی لغوی دلالت کو یکسر فراموش کر کے آیت ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ﴾ یعنی "پس جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا"[17] کو فزکس کے جدید نظریۂ ایٹم (Nuclear Physics) اور مادے کے ذیلی ذرات (Electrons, Protons) پر محمول کرتے ہیں، جو صریحاً لسانِ عرب پر تاریخی زیادتی ہے۔ اسی طرح لفظ "دَابَّةٍ" جو لغتِ عرب میں ہر زمین پر رینگنے یا چلنے والے جسمانی جانور کے لیے مستعمل ہے، بعض معاصرین اسے خوردبینی وائرس، بیکٹیریا اور جرثوموں پر چسپاں کرتے ہیں؛[18] اور یہ طریقہ علمِ اصول کے مسلمہ قاعدے "الحمل على الحقيقة اللغوية مقدم على المجاز والتعسف" کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ اسی لسانی انحراف کے ساتھ اصولِ تفسیر کا دوسرا ناقابلِ تسخیر ستون کلام کے سباق، سیاق اور لحاق (Contextual Flow) کی حفاظت ہے، کیونکہ قرآنِ مجید کی ہر آیت اپنے ماقبل اور مابعد کے مضامین سے باہم پیوست اور ایک وحدتِ کلام میں پروئی ہوئی ہوتی ہے۔[19] سائنسی مفسرین کا عام طریقۂ کار یہ ہے کہ وہ کسی آیت یا اس کے ایک جزو کو اس کے کلامی و اخلاقی سیاق سے کاٹ کر الگ کرتے ہیں (Decontextualization) اور پھر اس پر کسی میڈیکل یا فلکیاتی تھیوری کا لیبل لگا دیتے ہیں؛ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَا وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا﴾ یعنی "قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی، اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آئے، اور دن کی جب وہ اسے روشن کر دے"؛[20] یہاں سیاقِ کلام انسان کے نفس کی پاکیزگی اور تزکیے پر تنبیہ کے لیے کائنات کے عمومی مشاہداتی مظاہر کی قسم کھانا ہے، مگر بعض سائنسی مفسرین سیاق و سباق کو پسِ پشت ڈال کر یہاں چاند کی روشنی کے منعکس ہونے (Reflected Light) اور زمینی فضا میں سورج کی شعاعوں کے بکھرنے (Atmospheric Scattering) کی بحثیں شروع کر دیتے ہیں جس سے آیت کا اصل مقصودِ تذکیر فنا ہو کر رہ جاتا ہے؛ اس کے ساتھ ساتھ یہ منہجِ فہمِ سلف (صحابہ اور تابعین کے اجماعی فہم) سے مکمل انقطاع کا باعث بنتا ہے، کیونکہ اگر کسی آیت کا وہ سائنسی مفہوم ہی اصل مرادِ الٰہی تھا جس کا دعویٰ آج کیا جا رہا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ صاحبِ شریعت

---

[16] ابو الفضل محمد بن مکرم ابن منظور، لسان العرب [بیروت: دار صادر، ۱۹۹۰ء]، ۳۰۵/۴–۳۰۷
Ibn Manzur, *Lisan al-'Arab* [Beirut: Dar Sader, 1990], 4:305–307

[17] الزلزال: ۷

[18] محمد حسین الذہبی، *التفسیر والمفسرون* [قاہرہ: مکتبۃ وہبہ، ۲۰۰۳ء]، ۳۶۰/۲–۳۶۵
Muhammad Husayn al-Dhahabi, *Al-Tafsir wa al-Mufassirun* [Cairo: Maktabat Wahbah, 2003], 2:360–365

[19] بدر الدین محمد بن بہادر الزرکشی، البرهان في علوم القرآن، تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم [قاہرہ: دار احیاء الکتب العربیہ، ۱۹۵۷ء]، ۳۵/۱–۴۲
Badr al-Din al-Zarkashi, *Al-Burhan fi 'Ulum al-Qur'an*, ed. Muhammad Abu al-Fadl Ibrahim [Cairo: Dar Ihya' al-Kutub al-'Arabiyyah, 1957], 1:35–42

[20] الشمس: ۱–۳

ﷺ اور صحابہ کرام چودہ صدیوں تک کلامِ الٰہی کے حقیقی مدعا سے بے خبر رہے، جو کہ ایک سنگین اور باطل کلامی مفروضہ ہے۔[21] مزید برآں، اصولِ تفسیر اور علمِ کلام کا تیسرا اساسی تقاضا معارف کے ذرائع (Epistemology) کے درجات اور مراتب کا لحاظ رکھنا ہے، کیونکہ وحیِ الٰہی ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے ایک قطعی اور غیر متبدل حقیقت (Absolute and Immutable Truth) ہے جس میں کسی تغیر، ابطال یا ترمیم کا امکان نہیں، جبکہ اس کے برعکس تجرباتی سائنس کے جملہ نظریات استقراء، مشاہدے اور تجربے پر قائم ہوتے ہیں جو کہ نوعیت کے لحاظ سے ظنی، امکانی اور تغیر پذیر (Provisional and Mutable) ہیں۔[22] تاریخِ سائنس اس امر پر گواہ ہے کہ سائنسی دنیا میں پے در پے پیراڈائم شفٹس (Paradigm Shifts) آتے رہے ہیں؛ بطلیموس کا نظامِ فلکیات (جس میں زمین مرکزِ کائنات تھی) صدیوں تک سائنس کی قطعی حقیقت سمجھا جاتا رہا اور بعض پرانے مفسرین نے قرآنی آیات کو اس پر چسپاں کیا، پھر کوپرنیکس اور گیلیلیو نے ثابت کیا کہ سورج مرکز ہے اور زمین متحرک ہے، اور بعد ازاں نیوٹن کی میکانکی فزکس آئی اور اس کے بعد آئن سٹائن کے نظریۂ اضافیت اور کوانٹم میکانکس نے کائنات کی سابقہ مادی سائنسی تفہیم کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں؛[23] چنانچہ اگر قرآنِ مجید کی آیات کو ان متغیر اور بدلتے ہوئے سائنسی مفروضات کا پابند کر دیا جائے، تو جوں ہی کوئی سائنسی نظریہ نیا مشاہدہ آنے پر باطل ہو گا، نادانستہ طور پر اس کے ساتھ قرآنی نص کی صداقت بھی غیر مسلموں اور متشککین کی نگاہ میں مشکوک ہو جائے گی؛ لہٰذا اصولِ تفسیر کا یہ قطعی تقاضا ہے کہ وحیِ معصوم کو سائنسی نظریات کی بیساکھیوں کا محتاج نہ بنایا جائے، بلکہ سائنسی دریافتوں کو وحی کے فہم کے لیے صرف اسی وقت استئناس (تائید) کے طور پر قبول کیا جائے جب وہ ناقابلِ تردید قطعی حقائق (Established Scientific Facts) کا درجہ حاصل کر چکی ہوں اور لغت وسیاقِ قرآنی کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ بنتی ہوں۔

منتخب آیاتِ کونیہ کی سائنسی توجیہات کا تطبیقی مطالعہ

اصولِ تفسیر کے نظری مباحث اور تفسیری قواعد کی عملی جانچ کے لیے ضروری ہے کہ قرآنِ مجید کے ان منتخب کونیاتی مقامات کا عمیق مطالعہ کیا جائے جنہیں معاصر سائنسی لٹریچر میں اعجازِ علمی کی بنیادی دلیل بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ ذیل میں تین اہم اور متنازع قضایا کے ذریعے سائنسی دعووں، لغوی حقائق اور تفسیری روایات کا تقابلی و تنقیدی تجزیہ پیش کیا جاتا ہے:

1: تخلیقِ کائنات اور وسعتِ فلک کا قضیہ: معاصر سائنسی تفاسیر میں سب سے زیادہ زیرِ بحث آنے والی نص سورۃ الذاریات کی یہ آیت ہے: ﴿وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ﴾ یعنی "اور آسمان کو ہم نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور بے

[21]۔ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، مقدمة في أصول التفسير، تحقیق: عدنان زرزور [بیروت: دار ابن حزم، ۱۹۹۴ء]، ۳۵–۴۰
Taqi al-Din Ahmad Ibn Taymiyyah, *Muqaddimah fi Usul al-Tafsir*, ed. ‘Adnan Zarzur [Beirut: Dar Ibn Hazm, 1994], 35–40

[22]۔ کارل پاپر، سائنسی دریافت کی منطق [لندن: روٹلیج، ۲۰۰۲ء]، ۵۷–۶۲
Karl Popper, *The Logic of Scientific Discovery* [London: Routledge, 2002], 57–62

[23] ۔تھامس ایس۔ کوہن، سائنسی انقلابات کی ساخت [شکاگو: یونیورسٹی آف شکاگو پریس، ۱۹۶۲ء]، ۸۴–۹۱
Thomas S. Kuhn, *The Structure of Scientific Revolutions* [Chicago: University of Chicago Press, 1962], 84–91

شک ہم بڑی وسعت دینے والے ہیں"۔[24] بیسویں صدی میں جب ایڈون ہبل (Edwin Hubble) نے فلکیاتی مشاہدات کے ذریعے یہ دریافت کیا کہ کہکشائیں ایک دوسرے سے دور جا رہی ہیں اور کائنات مسلسل پھیل رہی ہے (Expanding Universe)، تو ڈاکٹر زغلول النجار اور موریس بوکائے جیسے مفسرین نے دعویٰ کیا کہ لفظ "لَمُوسِعُونَ" دراصل کائنات کے مسلسل اور متحرک پھیلاؤ (Continuous Dynamic Expansion) کی صریح سائنسی دلیل ہے جسے قرآن نے چودہ سو سال قبل منکشف کر دیا تھا۔[25] تاہم، لغتِ عرب اور کلاسیکی تفسیری روایت کی طرف رجوع کیا جائے تو اس آیت کا مفہوم کہیں زیادہ جامع اور کلامی سیاق سے پیوست نظر آتا ہے۔ عربی زبان میں مادہ "و-س-ع" وسعت، قدرت، طاقت اور استطاعت کے معنی میں مستعمل ہے۔ امام ابن جریر الطبری اور امام ابن کثیر نے سلف (ابن عباس اور قتادہ رضی اللہ عنہما) کے اقوال کی روشنی میں اس کے دو بنیادی مفاہیم نقل کیے ہیں: پہلا مفہوم "ذُو سَعَةٍ وَقُدْرَةٍ" یعنی ہم اس آسمان کو بنانے پر قادر اور بڑی وسعت و استطاعت والے ہیں، جیسا کہ قرآن میں دوسری جگہ آتا ہے: ﴿عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ﴾[26]؛ اور دوسرا مفہوم "أَوْسَعْنَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْأَرْضِ" یعنی ہم نے آسمان کو بے حد کشادہ اور وسیع بنایا ہے۔[27] اگرچہ زبان کے قواعد کی رو سے اسمِ فاعل "مُوسِعُونَ" میں وسعت پیدا کرنے کا مفہوم استثناءً سما سکتا ہے، لیکن اسے حتمی طور پر ہبل کے فلکیاتی ماڈل پر منحصر کر دینا کلامی اعتبار سے خطرے سے خالی نہیں، کیونکہ اگر مستقبل میں فلکیات کا متبادل نظریہ یعنی کائنات کا سکڑاؤ (Big Crunch) یا کوئی نیا ماڈل سامنے آ گیا تو اس مخصوص تطبیق پر اصرار سے کلامِ الٰہی پر شک کے دروازے کھل جائیں گے؛ لہٰذا آیت کو اللہ تعالیٰ کی صفتِ غنیٰ، قدرت اور وسعتِ خلقت پر محمول رکھنا ہی اصل تفسیری جادہ ہے۔

2: مراحلِ خلقتِ جنین کا قضیہ: قرآنِ حکیم نے انسان کی رحمِ مادر میں تدریجی تخلیق کو سورۃ المؤمنون میں مفصل بیان فرمایا ہے: ﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾ یعنی "پھر ہم نے نطفے کو لوتھڑا بنایا، پھر لوتھڑے کو بوٹی بنایا، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر ہم نے اسے ایک اور ہی صورت میں پیدا کیا، سو اللہ بڑی برکت والا ہے جو سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے"۔[28] کینیڈا کے ماہرِ جنینیات کیتھ ایل۔ مور (Keith L. Moore) اور بعد کے مصنفین نے یہ موقف اختیار کیا کہ قرآن میں وارد اصطلاحات معاصر خوردبینی ایمبریولوجی (Microscopic Embryology) کے دقیق مراحل سے حرف بہ حرف مطابقت رکھتی ہیں؛ ان کے مطابق "عَلَقَة" سے مراد جونک

---

[24] ۔الذاريات: ۴۷

[25] ۔النجار، الإعجاز العلمي، ۷۵–۸۰
El-Naggar, *Al-I'jaz al-'Ilmi*, 75–80

[26] ۔البقرة: ۲۳۶

[27] ۔ابو جعفر محمد بن جرير الطبرى، جامع البيان عن تأويل آي القرآن، تحقيق: احمد محمد شاكر [بيروت: مؤسسة الرسالہ، ۲۰۰۰ء]، ۴۴۱–۴۳۸/۲۲
Abu Ja'far Muhammad ibn Jarir al-Tabari, *Jami' al-Bayan 'an Ta'wil Ay al-Qur'an*, ed. Ahmad Muhammad Shakir [Beirut: Mu'assasat al-Risalah, 2000], 22:438–441

[28] ۔المؤمنون: ۱۴

SCRR

(Leech) سے مشابہ وہ ابتدائی وجود ہے جو رحم کی دیوار سے چمٹ جاتا ہے اور اپنا خون چوستا ہے، جبکہ "مُضْغَة" سے مراد چبائے ہوئے گوشت کا وہ ٹکڑا ہے جس پر دانتوں کے نشانات جیسے ابھار (Somites) دکھائی دیتے ہیں جن کا ادراک سترھویں صدی میں مائیکروسکوپ کی ایجاد سے قبل ناممکن تھا۔[29] اس تطبیق نے بلاشبہ ایک دور میں غیر مسلموں کو اسلام کے قریب کرنے میں مدد دی، مگر جب مغربی مورخینِ طب (جیسا کہ نیدہم) نے یہ اعتراض اٹھایا کہ ارسطو اور جالینوس (Galen) کی قدیم کتبِ طب میں بھی اسقاطِ حمل کے مشاہدات کی بنیاد پر انسانی جنین کے تقریباً یہی مراحل بیان کیے گئے تھے، تو سائنسی اعجاز کے بعض مدعی لاجواب ہو گئے۔[30] اصولِ تفسیر کے تحت اس کا اعتدال پسندانہ جواب یہ ہے کہ قرآنِ مجید نے یہ تعبیرات عام انسانی مشاہدے (Phenomenological Observation) کی سطح پر انسان کو اس کی عاجزانہ ابتدا یاد دلانے اور روزِ جزا پر استدلال قائم کرنے کے لیے پیش کی ہیں؛[31] لفظ "علقہ" لغتِ عرب میں منجمد اور لٹکے ہوئے خون کے لوتھڑے کو کہتے ہیں، لہٰذا قرآن کے فراہم کردہ بصری و حسی استدلال کو جدید ہسٹولوجی (Histology) کے باریک نظام کا متبادل قرار دے کر اس پر اعجاز کا انحصار قائم کرنا علمی بددیانتی ہے۔

3: فلکیاتی حرکات اور شمس کی گردش کا قضیہ: سورۂ یٰس کی یہ آیت فلکیاتی مباحث کا اہم مرکز رہی ہے: ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ یعنی "اور سورج اپنے ایک مقررہ راستے (ٹھکانے) کی طرف چلتا رہتا ہے، یہ زبردست، سب کچھ جاننے والے کی ٹھہرائی ہوئی تقدیر ہے"۔[32] جب سترھویں صدی میں کوپرنیکسی فلکیات کے تحت یہ نظریہ قائم ہوا کہ سورج مرکز میں ساکن ہے اور زمین اس کے گرد گھومتی ہے تو ناقدین نے اس آیت کو سائنسی مشاہدے کے خلاف قرار دیا کیونکہ آیت سورج کے چلنے (تَجْرِي) کی صراحت کرتی ہے، لیکن بعد ازاں جب معاصر فلکیات نے یہ دریافت کیا کہ پورا نظامِ شمسی ملکی وے کہکشاں (Milky Way) کے مرکز کے گرد ۲۲۰ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے سولر اپیکس (Solar Apex) کی طرف حرکت کر رہا ہے تو معاصر مفسرین نے اعلان کیا کہ آیت میں "مُسْتَقَرِّهَا" سے مراد یہی حتمی فلکیاتی منزل ہے۔[33] ابتدائی کتبِ تفسیر میں اس آیت کی تشریح کے لیے دو بنیادی ماٰخذ استعمال ہوئے ہیں: پہلا ماخذ حدیثِ ابو ذر رضی اللہ عنہ ہے جس میں آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ سورج چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ عرشِ الٰہی کے نیچے جا کر سجدہ

[29] کیتھ ایل۔ مور اور عبد المجید الزندانی، طبی جنینیات کے ارتقاء کی سائنسی توضیح [جدہ: دار القبلہ، ۱۹۸۳ء]، ۲۴–۳۱
Keith L. Moore and T. V. N. Persaud, *The Developing Human: Clinically Oriented Embryology*, 8th ed. [Philadelphia: Saunders/Elsevier, 2008], 28–33

[30] جوزف نیدہم، جنین شناسی کی تاریخ [کیمبرج: کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۹ء]، ۶۲–۶۸
Joseph Needham, *A History of Embryology*, 2nd ed. [Cambridge: Cambridge University Press, 1959], 62–68

[31] ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لأحکام القرآن، تحقیق: احمد البردونی [قاہرہ: دار الکتب المصریہ، ۱۹۶۴ء]، ۱۲/۱۰–۱۴
Abu ‘Abd Allah al-Qurtubi, *Al-Jami‘ li-Ahkam al-Qur’an*, ed. Ahmad al-Barduni [Cairo: Dar al-Kutub al-Misriyyah, 1964], 12:10–14

[32] یس: ۳۸

[33] جوہری، *الجواهر*، ۱۸/۱۵–۱۸
Jawhari, *Al-Jawahir*, 18:15–18

ریز ہو جاتا ہے اور طلوع کی اجازت طلب کرتا ہے،[34] جو کہ ایک غیبی و ملکوتی حقیقت ہے جس کا مادی تجرباتی سائنس احاطہ نہیں کر سکتی؛ جبکہ دوسرا ماخذ زمانی و مکانی مفہوم ہے جس کے مطابق "مُسْتَقَرّ" سے مراد قیامت کے دن سورج کا بے نور ہو جانا یا اس کا روزانہ مشرق و مغرب کے مدار میں سفر مکمل کرنا ہے۔[35] قرآنِ مجید کی بلاغت کا اصل اعجاز یہ ہے کہ اس کی تعبیر بیک وقت صحرا نشین بدوی کو بھی بصری سطح پر خالق کی کاریگری دکھاتی ہے اور جدید ترین فلکیات کے محقق کے سامنے بھی باطل ثابت نہیں ہوتی، جس کے لیے نصوص کو جبراً جدید فزکس کی کسی عارضی مساوات کا پابند بنانے کی قطعی ضرورت نہیں۔

سائنسی تفاسیر کے فکری و کلامی اثرات اور حدِ اعتدال

آیاتِ کونیہ کی معاصر سائنسی تشریحات محض ایک تفسیری یا لسانی بحث تک محدود نہیں رہیں، بلکہ انہوں نے اسلامی فکر، علمِ کلام اور ایمان و تشکیک کی مباحث پر دور رس اثرات مرتب کیے ہیں۔ نصوصِ وحی اور جدید تجرباتی علوم کے باہمی تعامل کو سمجھنے میں مسلم فکر بنیادی طور پر دو متضاد انتہاؤں یعنی افراط و تفریط کا شکار رہی ہے؛ ایک طرف "مکتبِ افراط" ہے جو جدید تجرباتی سائنس کو تمام حقائق کی جانچ کا آخری اور حتمی معیار (The Ultimate Epistemic Criterion) تسلیم کر کے سائنسی مرعوبیت کی بنا پر اعجازِ قرآن کو جدید لیبارٹریوں اور سائنسی مقالوں کی تصدیق کا محتاج سمجھتا ہے، جس کے نتیجے میں کلامِ الٰہی کا اصل ہدف یعنی تزکیۂ نفس، اخلاقی اصلاح، معرفتِ ربانی اور آخرت کی یاد دہانی ثانوی بن کر رہ گیا اور قرآن کو طبیعیات و فلکیات کی ایک پیچیدہ گتھی بنا کر پیش کیا جانے لگا؛[36] جبکہ آیات کو جدید کیمسٹری اور بائیولوجی کے سانچوں میں ڈھالنے کے لیے لغتِ عرب کے قواعد کو پامال کر کے متون میں غیر فطری تصنع اور تحریفِ معنوی کی راہ کھولی گئی۔ دوسری طرف "مکتبِ تفریط" ہے جس کے علم بردار روایتی اور ظاہری حلقوں نے جدید سائنسی اکتشافات کے ردِ عمل میں ایسا معاندانہ حصار باندھ لیا جو کائنات کے مادی قوانین اور سائنسی حقائق کو سرے سے الحاد پر محمول کرتا ہے، اور قرآنِ مجید کے واضح احکامات مثلاً ﴿قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ یعنی "آپ فرمائیے کہ غور کرو آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے"[37] اور ﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾ یعنی "عنقریب ہم انہیں کائنات کے آفاق میں اور ان کی اپنی جانوں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ وہی حق ہے"[38] کی تذکیری و

---

[34] ۔ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه [بيروت: دار طوق النجاة، ۱۴۲۲ھ]، ۱۳۲/۴، رقم الحديث: ۳۱۹۹
Muhammad ibn Isma‘il al-Bukhari, *Sahih al-Bukhari* [Beirut: Dar Tawq al-Najah, 2001], 4:132, Hadith no. 3199

[35] ۔عماد الدين ابو الفداء اسماعيل بن عمر ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، تحقيق: سامی بن محمد السلامہ [رياض: دار طيبہ، ۱۹۹۹ء]، ۵۷۵/۶–۵۷۸
Imad al-Din Ismail Ibn Kathir, *Tafsir al-Qur’an al-‘Azim*, ed. Sami ibn Muhammad al-Salamah [Riyadh: Dar Taybah, 1999], 6:575–578

[36] ۔محمود شلتوت، تفسير القرآن الكريم: *الأجزاء العشرة الأولى* [قاہرہ: دار الشروق، ۲۰۰۴ء]، ۳۱–۳۵
Mahmud Shaltut, *Tafsir al-Qur’an al-Karim: Al-Ajza’ al-‘Asharah al-Ula* [Cairo: Dar al-Shorouk, 2004], 31–35

[37] ۔يونس: ۱۰۱

[38] ۔فصلت: ۵۳

کائناتی وسعتوں سے آنکھیں چرا کر قدیم یونانی ہیئت اور ازکار رفتہ مفروضات پر اصرار کرتا ہے، جس سے جدید تعلیم یافتہ ذہن اسلام کے علمی دائرے سے مایوس ہو کر ارتیاب کا شکار ہو جاتا ہے۔

اس فکری کشمکش کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ قرآن فہمی کے روایتی اصولوں اور جدید سائنسی معارف کے مابین درج ذیل تین بنیادی قواعد پر مبنی متوازن شرعی فریم ورک اختیار کیا جائے: اولاً، معرفتی دائرہ کار کا واضح تعین (Demarcation of Epistemic Domains) کیا جائے، کیونکہ قرآنِ مجید کتابِ کائنات کے خالق و صانع کی معرفت اور انسانی وجود کا مقصد بتانے آیا ہے نہ کہ اس کے ریاضیاتی و طبیعیاتی فارمولے سکھانے؛ سائنس کا دائرہ یہ جاننا ہے کہ کوئی عمل کیسے (How) واقع ہوتا ہے جبکہ وحی یہ منکشف کرتی ہے کہ اس عمل کے پیچھے کار فرما حکمت کیا ہے اور کائنات کیوں (Why) وجود میں لائی گئی، اور ان دونوں دائروں کو خلط ملط کرنا مغالطے کی بنیاد ہے۔ ثانیاً، سائنسی علوم کو قرآن کی صحت و صداقت کا حاکم (Judge) بنانے کے بجائے صرف استئناس و تائید (Corroboration) کے درجے پر رکھا جائے، یعنی اگر جدید سائنس کا کوئی قطعی، مبرہن اور ناقابلِ تردید مشاہدہ (Established Scientific Fact) سامنے آئے اور وہ لغتِ عرب اور نظمِ قرآنی کے موافق ہو تو اسے قرآنی تعبیر کے افہام اور تقویتِ ایمان کے لیے بطورِ استئناس پیش کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔[39] ثالثاً، لسانی وسعت اور تعبیرِ نبوی کے ادب کو ملحوظ رکھا جائے تاکہ قرآنی نصوص ہمیشہ اپنی اصل نزولی و لسانی ساخت میں محفوظ رہیں جس کا مخاطب اول بدوی بھی تھا اور جدید سائنس دان بھی؛ کیونکہ کلامِ الٰہی ایسی لطیف بلاغت پر قائم ہے جو بیک وقت ہر دور کے فہم کو متاثر کرتی ہے، لیکن اس کی بنیاد کو کسی مخصوص زمانے کے تغیر پذیر سائنسی پیراڈائم کے ساتھ جوڑ دینا دین اور سائنس دونوں کے ساتھ ناانصافی ہے۔[40]

نتائجِ تحقیق (Research Findings)

- آیاتِ کونیہ کے نزول کا بنیادی مقصد طبیعیاتی و حیاتیاتی میکانزم کی تدریس یا ریاضیاتی فارمولے سکھانا نہیں، بلکہ مظاہرِ کائنات کے مشاہدے سے انسان کو خالق کی معرفت، توحید، قدرتِ مطلقہ اور معاد پر استدلال (استدلال علی التوحید والقدرۃ والبعث) کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ کلامِ الٰہی کو سائنس کی درسی کتاب سمجھنا قرآنی غایت کے منافی ہے۔
- وحیِ الٰہی ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے ایک قطعی، ابدی اور غیر متبدل حقیقت ہے، جبکہ تجرباتی سائنس کے نظریات استقرائی اور تجرباتی بنیادوں پر استوار ہونے کے سبب ظنی، امکانی اور مسلسل تغیر پذیر (Paradigm Shifts) ہیں۔ لہٰذا، ابدی نصوص کو بدلتے ہوئے سائنسی مفروضات کا پابند بنانا ایک سنگین علمی مغالطہ ہے؛ کیونکہ کسی نظریے کے باطل ہونے کی صورت میں نادانستہ طور پر کلامِ الٰہی کی صداقت مشکوک ہو جاتی ہے۔

---

[39] مصطفیٰ صادق الرافعی، إعجاز القرآن والبلاغة النبوية [بیروت: دار الكتاب العربی، ۱۹۹۰ء]، ۱۲۵–۱۳۰
Mustafa Sadiq al-Rafi'i, *I'jaz al-Qur'an wa al-Balaghah al-Nabawiyyah* [Beirut: Dar al-Kitab al-'Arabi, 1990], 125–130

[40] الشاطبی، الموافقات، ۲/۱۱۵–۱۲۰
Al-Shatibi, *Al-Muwafaqat*, 2:115–120

- معاصر سائنسی تفاسیر (التفسیر العلمی والاعجاز العلمی) میں اکثر مقامات پر نزولِ قرآن کے دور میں رائج لغتِ عرب کے مفاہیم کو نظر انداز کر کے لسانی کھینچ تان (Semantic Stretching) کی جاتی ہے؛ مثلاً "ذَرَّةٍ" کو ایٹم اور "دَابَّةٍ" کو وائرس قرار دینا، اور آیات کو ان کے اخلاقی سیاق وسباق اور فہمِ سلف سے کاٹ کر پیش کرنا اصولِ تفسیر کے مسلمہ ضوابط سے صریح انحراف ہے۔
- سائنسی تفاسیر کے باب میں افراط (سائنسی مرعوبیت اور تحریفِ معنوی) اور تفریط (علمی جمود اور سائنسی مشاہدات کا قطعی انکار) دونوں رویے غیر متوازن ہیں۔ اعتدال کا تقاضا یہ ہے کہ سائنس کو قرآن پر حاکم بنانے کے بجائے، صرف ان سائنسی دریافتوں کو جو قطعی حقیقت (Established Scientific Fact) بن چکی ہوں اور لغتِ عرب وسیاقِ کلام سے ہم آہنگ ہوں، تفہیمِ کلام کے لیے بطورِ "استئناس وتائید" (Corroboration) قبول کیا جائے۔

مصادر ومراجع

1. القرآن الکریم
2. ابن تیمیہ، تقی الدین احمد بن عبد الحلیم۔ "مقدمة في أصول التفسير۔ بیروت: دار ابن حزم، ۱۹۹۴ء۔
3. ابن جریر الطبری، ابو جعفر محمد۔ "جامع البيان عن تأويل آي القرآن"۔ تحقیق: احمد محمد شاکر۔ بیروت: مؤسسة الرسالہ، ۲۰۰۰ء۔
4. ابن عاشور، محمد الطاہر۔ "التحریر والتنویر"۔ تونس: دار سحنون، ۱۹۹۷ء۔
5. ابن کثیر، عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن عمر۔ "تفسیر القرآن العظیم"۔ تحقیق: سامی بن محمد السلامہ۔ ریاض: دار طیبہ، ۱۹۹۹ء۔
6. ابن منظور، ابو الفضل محمد بن مکرم۔ "لسان العرب"۔ بیروت: دار صادر، ۱۹۹۰ء۔
7. البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل۔ "الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه"۔ بیروت: دار طوق النجاة، ۱۴۲۲ھ۔
8. بوکائے، مورس۔ "بائبل، قرآن اور سائنس"۔ مترجم: محمد ساجد الرحمن۔ لاہور: البلاغ پبلیکیشنز، ۱۹۹۸ء۔
9. پاپر، کارل۔ "سائنسی دریافت کی منطق"۔ لندن: روٹلیج، ۲۰۰۲ء۔
10. جوہری، طنطاوی۔ "الجواهر في تفسير القرآن الكريم"۔ قاہرہ: مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۳۱ء۔
11. الذہبی، محمد حسین۔ "التفسیر والمفسرون"۔ قاہرہ: مکتبة وہبہ، ۲۰۰۳ء۔
12. الرازی، فخر الدین محمد بن عمر۔ "مفاتیح الغیب-التفسیر الکبیر"۔ بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ۔

SCRR

13. الرافعی، مصطفیٰ صادق۔ ”إعجاز القرآن والبلاغة النبوية“۔ بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۹۹۰ء۔

14. الرومی، فہد بن عبد الرحمن۔ ”اتجاهات التفسير في القرن الرابع عشر“۔ ریاض: مكتبة الرشد، ۱۹۸۶ء۔

15. الزرکشی، بدر الدین محمد بن بہادر۔ ”البرهان في علوم القرآن“۔ تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم۔ قاہرہ: دار احیاء الکتب العربیہ، ۱۹۵۷ء۔

16. سر سید احمد خان۔ ”تفسیر القرآن وھو الھدی والفرقان“۔ لاہور: دوست ایسوسی ایٹس، ۱۹۹۵ء۔

17. الشاطبی، ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ۔ ”الموافقات في أصول الشريعة“۔ تحقیق: مشہور بن حسن آل سلمان۔ خُبر: دار ابن عفان، ۱۹۹۷ء۔

18. شلتوت، محمود۔ ”تفسیر القرآن الکریم: الأجزاء العشرة الأولى“۔ قاہرہ: دار الشروق، ۲۰۰۴ء۔

19. الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد۔ ”جواھر القرآن ودررہ“۔ تحقیق: محمد رشید رضا القبانی۔ بیروت: دار احیاء العلوم، ۱۹۸۶ء۔

20. القرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد۔ "الجامع لأحكام القرآن"۔ تحقیق: احمد البردونی۔ قاہرہ: دار الکتب المصریہ، ۱۹۶۴ء۔

21. کریسویل، جان ڈبلیو۔ اور جے ڈیوڈ کریسویل۔ "تحقیقی خاکہ: کیفی، کمی اور مخلوط طریقے"۔ پانچواں ایڈیشن۔ تھاؤزنڈ اوکس: سیج پبلیکیشنز، ۲۰۱۸ء۔

22. کوہن، تھامس ایس۔ "سائنسی انقلابات کی ساخت"۔ شکاگو: یونیورسٹی آف شکاگو پریس، ۱۹۶۲ء۔

23. مور، کیتھ ایل۔ اور عبد المجید الزندانی۔ "طبی جنینیات کے ارتقاء کی سائنسی توضیح"۔ جدہ: دار القبلہ، ۱۹۸۳ء۔

24. نجار، زغلول راغب۔ "الإعجاز العلمي في القرآن الكريم"۔ قاہرہ: دار المعرفہ، ۲۰۰۶ء۔

25. نیدہم، جوزف۔ "جنین شناسی کی تاریخ"۔ دوسرا ایڈیشن۔ کیمبرج: کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۹ء۔

SCRR